۹۸

البیّنة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلّق

یہ سورہ سابق سورہ ——— القدر ——— کا مثنیٰ ہے۔ اس میں قرآن کی عظمت بیان ہوئی ہے اور اس میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین دونوں گٹھ جوڑ کر کے اس وقت قرآن کی تکذیب کے لیے جو اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ قرآن کے باب میں انھیں کوئی واقعی شبہ ہے بلکہ اس کا سبب محض ان کا استکبار ہے۔ وہ ظاہر تو یہ کر رہے ہیں کہ اگر ان کو کوئی کھلی ہوئی نشانی دکھا دی جائے تو وہ اس کو مان لیں گے لیکن یہ محض ان کا فریب ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا معجزہ بھی ان کو قائل کرنے والا نہیں بن سکتا۔ یہ اس کو دیکھ کر بھی اپنے استکبار پر پردہ ڈالنے کے لیے کوئی بات بنا ہی لیں گے۔ اہل کتاب آج مشرکین کی جو پشت پناہی اور قرآن کی تکذیب کے لیے ان کو جو اعتراضات القا کر رہے ہیں اگر اپنی تاریخ کے آئینہ میں اپنے کردار کو دیکھیں تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ جس طرح کے معجزے کا مطالبہ وہ آج کر رہے ہیں اسی قسم کے معجزوں کا مطالبہ ان کے پیشروؤں نے اپنے زمانے میں اپنے پیغمبروں سے کیا اور وہ ان کو دکھا بھی دیے گئے لیکن سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی انھوں نے اللہ کی کتاب اور اس کے دین کا تیا پانچا کر کے رکھ دیا۔ ایمان لانے کے لیے اصل چیز اللہ کی خشیت ہے۔ جن کے اندر یہ خشیت موجود ہے وہ اس کتاب پر ایمان لائیں گے۔ رہے وہ جن کے دل پتھر ہو چکے ہیں وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں خواہ ان کو کتنی ہی بڑی نشانی دکھا دی جائے۔

ب۔ سورہ کا زمانۂ نزول

بعض مفسرین نے اس سورہ کو مدنی قرار دیا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ رائے صحیح نہیں ہے۔ ان لوگوں کا ذہن اس طرف اس وجہ سے گیا کہ اس میں مشرکین مکہ کے ساتھ اہل کتاب کے رویہ کا بھی حوالہ ہے لیکن محض اتنی بات کسی سورہ کو مدنی قرار دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔ سورتوں کے پچھلے گروپ آپ کی نظر سے اگر گزر چکے ہیں تو آپ نے دیکھا ہو گا کہ ہر گروپ کی آخری مکی سورتوں

میں مشرکینِ مکہ کے رویہ کے ساتھ ساتھ اہل کتاب کے رویے کی طرف بھی اشارے ہوئے ہیں جو بالتدریج خفی سے جلی ہوتے چلے گئے ہیں[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ میں ایک نئی رسالت اور ایک نئی دعوت کا معاملہ ایسا معاملہ نہیں تھا جس سے اہل کتاب، بالخصوص یہود، بالکل غیر متعلق رہتے۔ ان کے علما اپنے صحیفوں کی پیشین گوئیوں کی بنا پر ایک نئی بعثت کا اندیشہ پہلے سے رکھتے تھے پھر وہ اس نئی دعوت کو نظر انداز کیسے کر سکتے تھے۔ البتہ شروع شروع میں انھوں نے اس کی مخالفت میں کوئی عملی حصہ اس وجہ سے نہیں لیا کہ قریش کی مخاصمت کا انداز دیکھ کر انھوں نے خیال کیا کہ اس دعوت کو ختم کر دینے کے لیے یہ خود ہی کافی ہیں لیکن جب دیکھا کہ دعوت قریش کے علی الرغم دبنے کے بجائے بڑھ ہی رہی ہے تو انھوں نے بھی ان کی پشت پناہی شروع کر دی۔ اول اول تو انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کچھ اعتراضات و سوالات قریش کو سکھائے تاکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں اور آپ کو زچ کرنے کی کوشش کریں۔ پھر اپنی مذہبی برتری کے زعم میں انھوں نے نبی کی شناخت کے لیے بعض خود ساختہ علامتیں مقرر کیں اور قریش کو مشورہ دیا کہ وہ نئے مدعیٔ نبوت کو ان کی بتائی ہوئی کسوٹی پر پرکھیں، مثلاً انھوں نے بتایا کہ ہمارے صحیفوں میں تو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ہم اس وقت تک کسی نبی کی نبوت کی تصدیق نہ کریں جب تک اس کی پیش کی ہوئی قربانی کو کھانے کے لیے آسمان سے آگ نہ اترے۔ قرآن نے ان کی اس طرح کی شرارتوں کا جگہ جگہ حوالہ دیا ہے۔ اور یہ کام انھوں نے دعوت کے ابتدائی دور ہی سے شروع کر دیا تھا۔ اس وجہ سے جابجا مکی سورتوں میں بھی ان کی طرف اشارہ ہوا۔ اس سورہ میں بھی اسی نوعیت سے قریش کے ساتھ ان کے گٹھ جوڑ کا ذکر فرمایا۔

ج۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

سورہ کے مطالب کی ترتیب اس طرح ہے:

(۱-۳) پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اہل کتاب اور مشرکینِ قریش کے جو اشرار تمہارے درپئے مخالفت ہیں، یہ گمان نہ کرو کہ کسی قیمت پر بھی وہ اپنی ہٹ سے باز آجائیں گے اور اس قرآن کو مان لیں گے۔ یہ تو اسی وقت مانیں گے جب آسمان سے کوئی فرشتہ صحیفے پڑھتا ہوا اترے اور وہ اس کو دیکھیں کہ وہ صحیفے لیے اتر رہا ہے۔

(۴-۵) اس کے بعد اہل کتاب پر تعریض ہے کہ یہ ناہنجار لوگ آج رسول کی مخالفت کے جوش

---

[1] ہم نے اپنی اس کتاب میں ان کی طرف ہر جگہ توجہ دلا دی ہے۔

یہاں قریش کی پیٹھ ٹھونک رہے ہیں حالانکہ ان کی بدبختی کا یہ حال ہے کہ انھوں نے بڑے بڑے معجزے دیکھے لیکن پھر بھی ان کو اللہ کے دین پر قائم رہنا نصیب نہ ہوا بلکہ یہ سب کچھ دیکھ کر اندھے بنے رہے اور دین کی ان اساسات پر بھی متفق نہ رہ سکے جن میں کسی اختلاف کی بھی گنجائش نہیں تھی۔

(۶-۸) آخر میں اہل کتاب اور قریش دونوں کے استکبار پر ضرب لگائی ہے کہ یہ اپنے کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اس وجہ سے رسول کی دعوت کو خاطر میں نہیں لا رہے ہیں حالانکہ یہ بدترین خلائق ہیں۔ یہ جہنم میں جھونک دیے جائیں گے۔ اللہ کے نزدیک درجہ صرف ان بندوں کے لیے ہے جو غیب میں رہتے اپنے رب پر ایمان لائیں اور عمل صالح کریں نہ کہ ان مغروروں کے لیے جو سب کچھ آنکھوں سے دیکھ لیں گے تب مانیں گے۔

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ

مَكِّيَّةٌ ———— ايات : ٨

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۱﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿۲﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿۳﴾ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۴﴾ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿۷﴾ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ﴿۸﴾

ایات ۱-۸

ع ۱ ۸ ۲۳

ترجمہ آیات ۱-۸

اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنھوں نے (قرآن کا) انکار کیا وہ اپنی ہٹ سے

باز آنے والے نہیں ہیں، یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانی آجائے ــــ
یعنی اللہ کی طرف سے ایک فرستادہ، پاکیزہ اوراق پڑھتا ہوا جس میں صاف احکام
لکھے ہوئے ہوں۔ ۱ - ۳

حالانکہ اہل کتاب کھلی ہوئی نشانی آجانے کے بعد ہی اختلاف میں پڑے۔ ان
کو حکم یہی ہوا تھا کہ وہ اللہ ہی کی بندگی کریں، اسی کی خالص اطاعت کے ساتھ، بالکل
یکسو ہو کر اور نماز کا اہتمام رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور یہی سیدھی ملت کا دین ہے۔ ۴ - ۵
بے شک اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنھوں نے کفر کیا، وہ دوزخ کی آگ میں
پڑیں گے، اسی میں ہمیشہ رہنے کے لیے۔ یہی لوگ بدترین خلائق ہیں! ۶
بے شک جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے وہ بہترین خلائق ہیں۔ ان
کا صلہ ان کے رب کے پاس ہمیشگی کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہ
ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ خدا ان سے راضی وہ خدا سے راضی! یہ صلہ اس کے لیے
ہے جو اپنے خداوند سے ڈرا۔ ۷ - ۸

الفاظ و اسالیب کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ (۱)

اہل کتاب اور مشرکین کا ضدی گروہ

یہاں 'لَمْ يَكُنْ' فعل ناقص کے مفہوم میں نہیں بلکہ جس طرح 'وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا' (النساء - ۴ : ۱۷) (اللہ علیم و حکیم ہے) میں ہے اسی طرح یہاں بھی فعل تام کے مفہوم میں ہے اس وجہ سے اس کا ترجمہ یوں ہونا چاہیے کہ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنھوں نے قرآن اور رسول کا کفر کیا وہ اپنی ہٹ سے باز آنے والے نہیں ہیں جب تک کھلی نشانی نہیں دیکھ لیں گے۔

'کَفَرُوْا' کا مفعول یہاں، قرینہ کی وضاحت کی بنا پر محذوف ہے۔ یعنی جنھوں نے قرآن اور رسول کا انکار کر دیا ہے۔

'اھل کتاب' اور 'مشرکین' کا ذکر یہاں بحیثیت دو گروہوں کے ہے جو اس دور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ مشرکین علانیہ طور پر اور اہل کتاب، جیسا کہ ہم نے تمہید میں اشارہ کیا، خفیہ طور پر۔ لفظ 'مشرکین' جب یوں آتا ہے جس طرح یہاں آیا ہے تو مشرکین قریش یا مشرکین بنی اسمٰعیل کے لیے بطور علَم آتا ہے۔ اس استعمال کی مثالیں قرآن میں متعدد نہایت واضح موجود ہیں۔

'مِنْ' یہاں اپنے معروف استعمال یعنی تبعیض ہی کے لیے ہے اس لیے کہ یہاں مشرکین اور اہل کتاب میں سے اس گروہ کا کردار بیان ہو رہا ہے جو اسلام کی مخالفت کے لیے اندھا بہرا بن کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ان دونوں گروہوں میں سب ایک ہی طرح کے نہیں تھے بلکہ ان میں ایسے سنجیدہ افراد بھی تھے جو اسلام لائے اور اگر اسلام نہیں لائے تو کم از کم اس معاملے میں وہ میانہ رَو یا غیر جانبدار رہے۔ قرآن میں اس طرح کے لوگوں کا ذکر تحسین کے ساتھ ہوا ہے۔ یہاں 'مِنْ' اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لیے آیا ہے کہ یہ صرف اس گروہ کا کردار بیان ہو رہا ہے جو اپنے مطلوبہ معجزات دیکھے بغیر کوئی بات سننے سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

ضدیوں کا مطالبہ

'حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ' یہ ان ضدیوں کی وہ شرط بیان ہوئی جس کے پورے ہوئے بغیر وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ 'بَيِّنَةٌ' کے معنی کھلی ہوئی نشانی کے ہیں۔ 'کھلی ہوئی نشانی' سے ان کی مراد یہ تھی کہ ان کو کوئی ایسا واضح معجزہ دکھایا جائے جس کے انکار کی کوئی

گنجائش باقی نہ رہے۔ ان کے اس مطالبہ کا ذکر قرآن میں جگہ جگہ ہوا ہے۔ ہم بعض مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے ان کے ذہن کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

سورۂ نساء میں اہل کتاب کے مطالبہ کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے :

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً (النسآء - ۴ : ۱۳۵)	اہل کتاب تم سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ تم ان پر آسمان سے براہ راست ایک کتاب اتارو تب وہ مانیں گے۔ ان کا یہ مطالبہ کچھ عجیب نہیں۔ موسیٰ سے تو انھوں نے اس سے بھی بڑا مطالبہ کیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھاؤ تب ہم مانیں گے۔

اسی طرح مشرکین سے متعلق قرآن نے سورۂ مدثر میں بیان فرمایا ہے :

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً (المدّثر - ۷۴ : ۵۲)	بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے صحیفے پکڑائے جائیں۔

یعنی وہ اس قرآن کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں جو وحی کے ذریعے سے صرف ایک شخص پر نازل ہوتا ہے بلکہ ان کا مطالبہ یہ ہے کہ آسمان سے ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ صحیفے اتریں۔ تب وہ یقین کریں گے کہ فی الواقع اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے کتاب اتاری ہے۔

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (۲-۳)

یہ ’اَلْبَيِّنَةُ‘ کی وضاحت ہے کہ ان کا مطالبہ یہ ہے کہ ہم سے منوانا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فرشتہ براہ راست پاک اور اچھوتے اوراق پڑھتا ہوا اترے جن میں نہایت واضح اور قطعی احکام مرقوم ہوں۔

’رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ‘ کے الفاظ سے واضح ہے کہ ان کا منشا یہ تھا کہ انسانوں میں سے اٹھا ہوا کوئی رسول جو مدعی ہو کہ اس پر وحی آتی ہے، ان کو مطلوب نہیں ہے بلکہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والا کوئی فرشتہ چاہتے ہیں جو پاک اور اچھوتے اوراق پڑھتا ہوا اترے۔

’صُحُفًا مُّطَهَّرَةً‘۔ ’صَحِيْفَةٌ‘ ورق کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ فرشتہ کی بات بھی اس صورت میں باور کریں گے جب وہ خدا کی طرف سے صرف خبر دینے والا نہ ہو بلکہ جو کچھ لائے، لکھے ہوئے اوراق میں لائے اور اس کو پڑھ کر سنائے۔ ان اوراق کے لیے ’مُطَهَّرَةٌ‘ کی صفت میں یہ مضمون مضمر ہے کہ یہ اوراق بالکل پاکیزہ اور اچھوتے ہوں، خدا اور فرشتہ کے سوا کسی جن و بشر نے ان

کو ہاتھ نہ لگایا ہو۔

'فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ' مذکورہ شرائط کے اوپر ایک مزید شرط یہ بھی کہ ان اوراق میں ادھر ادھر کی بہت سی سرگزشتیں اور حکایتیں نہ ہوں بلکہ سیدھے سیدھے قطعی اور واضح احکام ہوں کہ وہ ان کو سن کر بے تکلف جان لیں کہ ان کا رب ان کو کن باتوں کا حکم دیتا ہے اور کن باتوں سے روکتا ہے۔

'كُتُبٌ' جمع ہے 'كِتَابٌ' کی۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے[1]۔ وہاں ہم نے بتایا ہے کہ یہ لفظ قرآن میں شریعت کے احکام کے معنی میں بھی آیا ہے۔ یہاں یہ اسی معنی میں ہے۔

'قَيِّمَةٌ' کے معنی سیدھے، واضح اور قطعی کے ہیں۔ یعنی ہمیں قطعی احکام بتلائے جائیں، غیر متعلق باتیں سننے کے خواہش مند ہم نہیں ہیں۔ اس لفظ میں ان شریر لوگوں کی طرف سے قرآن مجید پر جو تعریض ہے وہ اہل ذوق خود سمجھ سکتے ہیں۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح تورات کے احکام عشرہ الواح میں لکھ کر دیے گئے تھے اسی طرح واضح احکام، اوراق میں لکھے ہوئے لے کر فرشتہ آسمان سے ہمارے اوپر اترے تب ہم مانیں گے کہ یہ خدا کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتٰبَ إِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ (۴)

اہل کتاب کے القاء کردہ مطالبہ کا جواب

یہ مطالبہ چونکہ اہل کتاب کی ایجادات میں سے تھا جو انھوں نے قریش کے لیڈروں کو اس لیے سکھایا تھا کہ وہ اس کو قرآن کے خلاف استعمال کریں، اس وجہ سے قرآن نے اس کا جواب انہی کو سامنے رکھ کر دیا۔ فرمایا کہ ان کو ان کی طلب کے مطابق کوئی معجزہ دکھا بھی دیا جائے جب بھی یہ ماننے والے آسامی نہیں ہیں۔ ان کی تاریخ شاہد ہے کہ ان کو جو شریعت دی گئی تھی وہ نہایت کھلے ہوئے معجزات کے جلو میں دی گئی تھی، ان کے پیغمبر، حضرت موسیٰؑ نے قدم قدم پر ان کو قدرتِ خداوندی کے وہ کرشمے دکھائے جو کسی قوم کو ان سے پہلے نہیں دکھائے گئے، تورات کے احکام عشرہ ان کو الواح میں لکھ کر دیے گئے۔ ان سے شریعت کا عہد لیتے وقت پہاڑ ان کے اوپر چھتری کی طرح اٹھا دیا گیا، ان کے لیے صحرا میں ہما یہ اور من وسلویٰ کا انتظام کیا گیا، پہاڑ سے ان کے لیے اکٹھے بارہ چشمے جاری کر دیے گئے لیکن یہ سارے کرشمے اور معجزے دیکھنے کے بعد شریعتِ الٰہی کے ساتھ وفاداری کا حق انھوں نے یوں ادا کیا کہ سامری سے ایک بچھڑا بنوا کر اس کی پوجا شروع کر دی کہ یہی ہمارا معبود ہے۔ ان کے اسی فساد سے ان کے اندر سب سے پہلے انتشار پیدا ہوا جو امتدادِ زمانہ کے ساتھ بڑھتا گیا یہاں تک کہ اختلاف کے سوا کوئی چیز بھی ان کے درمیان مشترک نہیں رہ گئی۔

وَمَآ أُمِرُوْٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۥ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا

---

[1] ملاحظہ ہو تدبر قرآن۔ جلد اول، صفحہ: ۴۲

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (۵)

یہ اس تفرق کی مثال ہے جس کا ذکر اوپر کی آیت میں ہوا ہے۔ فرمایا کہ دین کی بنیادی چیزوں میں سے کوئی چیز بھی ایسی باقی نہیں رہ گئی ہے جس پر یہ قائم و استوار ہوں بلکہ ہر چیز میں ان کی راہیں الگ الگ ہو گئیں یہاں تک کہ اپنے اس اختلاف کی بدولت وہ ان کو ضائع کر بیٹھے۔

ان کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے توحید کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ ہی کی بندگی کریں اسی کے لیے اطاعت کو خالص کر کے، بالکل یکسو ہو کر، لیکن انھوں نے دین کی یہ بنیادی تعلیم برباد کر دی۔ اپنے پیغمبر کی موجودگی میں انھوں نے ایک بچھڑے کی پرستش کی، عزیر کو ابن اللہ اور اپنے علماء و فقہاء کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ بنایا۔ جادو اور اعمال سفلیہ اختیار کر لیے یہاں تک کہ دوسری قوموں کے بتوں کی بھی پوجا کی جس پر ان کے نبیوں نے نہایت دردانگیز الفاظ میں نوحہ کیا۔

اسی طرح انھیں نماز اور زکوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا تھا لیکن نماز انھوں نے جیسا کہ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں وضاحت ہو چکی ہے، بالکل ہی ضائع کر دی یہاں تک کہ تورات میں اس کا ذکر بھی باقی نہیں رہا۔ تورات میں قربانی کا ذکر آتا ہے لیکن نماز کا ذکر بمنزلۂ صفر ہے۔ یہی حال زکوٰۃ کا بھی ہوا۔ رسمی طور پر تو وہ باقی رہی لیکن اس کے اصلی حقدار فقراء و غرباء کی جگہ بنی لاوی کے علماء و فقہاء بن گئے اور ان کے علماء و فقہاء کی خست و نجالت کا جو حال رہا ہے اس کا اندازہ کرنا ہو تو انجیلوں اور دوسرے نبیوں کے صحیفوں میں ان کی زرپرستی کی جو تصویر کھینچی گئی ہے اس کو ملاحظہ فرمائیے۔

'وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ' یہ جواب ہے ان کے اس مطالبہ کا جو اوپر 'فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ' کے الفاظ میں نقل ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ فی الواقع سیدھے اور واضح دین ہی کے طالب ہیں تو یہ احکام تو انھیں سیدھے اور فطری دین ملت ابراہیم کے احکام کی حیثیت سے دیے گئے تھے تو انھوں نے آخر ان کو کیوں برباد کیا؟ اور یہ قرآن بھی ان کو انہی واضح اور قطعی باتوں کی طرف بلا رہا ہے تو اس کی مخالفت کے درپے کیوں ہیں؟ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب جو سوالات اٹھا رہے ہیں یہ محض ان کے حسد کی پیداوار ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح یہ خود اپنے کو اللہ کی شریعت سے محروم کیے بیٹھے ہیں اسی طرح دوسرے بھی اس سے محروم ہی رہیں۔

دین قیم

'ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ' یہ اصل میں 'ذٰلِكَ دِيْنُ الْمِلَّةِ الْقَيِّمَةِ' ہے۔ 'قَيِّمَة' کا موصوف یہاں حذف ہو گیا ہے اور اس قسم کا حذف، قرینہ موجود ہو تو عربی میں معروف ہے۔ اس اسلوب بیان سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ دین کی یہی وہ بنیادی تعلیمات ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کے خاندان کی دونوں شاخوں کو ان کے جدِّ اعلیٰ کی وراثت کی حیثیت سے منتقل ہوئیں۔ توحیف ہے، اگر انہی کی مخالفت کے لیے دونوں شاخیں گٹھ جوڑ کرنے کی کوشش کریں۔

یہ امر واضح رہے کہ ملتِ ابراہیم کا تعارف قرآن میں جگہ جگہ 'مِلَّةٌ قَيِّمَةٌ' کی صفت سے کرایا گیا ہے۔ اس ملت پر مفصل بحث اس کے محل میں ہو چکی ہے۔ یہاں ہم صرف ایک آیت کے حوالہ پر اکتفا کریں گے۔ فرمایا ہے:

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ (الانعام - ۶ : ۱۶۱)	کہہ دو، میرے رب نے میری رہنمائی ایک سیدھی راہ کی طرف فرمائی ہے۔ فطری دین، ملتِ ابراہیم کی طرف یکسو ہو کر۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ (۶)

اہل کتاب اور مشرکین کے کبر و غرور پر ضرب

یہ ان لوگوں کا انجام بیان فرمایا ہے جو قرآن کی تکذیب پر اڑے ہوئے ہیں، خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین سے۔ ساتھ ہی اس میں ان کے اس کبر و غرور پر بھی ضرب لگائی ہے جو اس تکذیب کا سبب بنا۔

فرمایا کہ جو بھی قرآن کی تکذیب کر کے کفر کے مرتکب ہوئے ہیں وہ سب جہنم میں بھر دیے جائیں گے، خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے۔ اہل کتاب ہو کر جنھوں نے اسی اندھے پن کا ثبوت دیا جس کا مظاہرہ مشرکین نے کیا تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ کسی رعایت کے مستحق ٹھہریں۔ ساتھ ہی یہ تاکید بھی ہے کہ یہ اس جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل کیے جائیں گے۔ یہ نہیں ہو گا کہ چند دنوں کے بعد اس سے ان کو نکلنا نصیب ہو جائے۔ یہاں اہل کتاب کے اس زعم پر نظر ہے جس کی طرف قرآن نے اشارہ فرمایا ہے کہ ان کا گمان یہ ہے کہ اول تو دوزخ کی آگ سے ان کو کوئی سابقہ پڑنے والا نہیں ہے اور پڑا بھی تو وہ چند دنوں سے زیادہ کے لیے نہیں ہو گا۔

'أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ'۔ یہ ان کے کبر پر ضرب لگائی گئی ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین کے سردار، قرآن اور پیغمبرؐ پر ایمان لانے کے لیے یہ شرط جو لگاتے تھے کہ جب تک کوئی فرشتہ آسمان سے اچھوتے صحیفے پڑھتا نہیں اترے گا یا جب تک ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں کھلے صحیفے نہیں پکڑائے جائیں گے اس وقت تک وہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دعوائے رسالت میں سچے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ شرط وہ اس غرور کی بنا پر لگاتے تھے کہ وہ اپنے ہی اندر کے ایک شخص کو، جو دنیوی اعتبار سے ان سے فروتر بھی ہے، خدا کا رسول مان کر اس کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن میں کس طرح ڈال لیں! ان کا یہ غرور ان کے لیے قبولِ حق سے مانع بنا حالانکہ حق خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جس کے آگے گردن جھکا دینا ہر ایک پر

واجب ہے خواہ وہ کوئی بادشاہ ہو یا غلام۔ اگر کوئی شخص حق سے اکڑتا ہے تو وہ ابلیس کی ذریت میں سے ہے اور ابلیس کی ذریت بدترین خلائق ہے جس کا ٹھکانا صرف جہنم ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (۷)

ان بندوں کا بیان جو اس کبر سے پاک رہے

یہ اللہ کے ان بندوں کا بیان ہے جو کبر و غرور کی آلائش سے پاک رہے اس وجہ سے ان کے اندر حق کا احترام باقی رہا۔ انھوں نے جب رسول کی دعوت سنی تو اس طرح کا کوئی مطالبہ نہیں کیا جس طرح کا مطالبہ مغروروں نے کیا بلکہ وہ اللہ کی کتاب پر ایمان لائے اور عمل صالح کی راہ پر چل پڑے۔ فرمایا کہ یہی لوگ ہیں جو بہترین خلائق ہیں۔ اس لیے کہ انسان کی قدر و قیمت مال و اسباب اور خاندان و نسب سے نہیں بلکہ اس کے عقلی و اخلاقی اوصاف سے ہے۔ جن کے اندر یہ اوصاف موجود ہیں اللہ کے نزدیک وہی اشراف و سادات ہیں اگرچہ وہ روم یا حبش کے غلام ہوں اور جو ان اوصاف سے محروم ہیں وہ اللہ کے نزدیک ارذل خلائق ہیں اگرچہ وہ قرشی و ہاشمی سادات ہوں۔ یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے قریش کے لیڈروں کی وہ پھبتیاں ذہن میں تازہ کر لیجیے جو وہ ان غریب مسلمانوں پر چست کرتے تھے جو شروع شروع میں اسلام لائے تھے۔ ان کی طرف سے اس توہین و تذلیل کے بعد رب السّٰمٰوٰتِ والارض کی طرف سے ان کی اس سرفرازی سے کون اندازہ کر سکتا ہے کہ ان کے سر کتنے اونچے ہوئے ہوں گے!

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور جیسا کہ سورۂ تین میں ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو بہترین ساخت اور نہایت اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اگر یہ اپنی قدر پہچان لے تو یہ 'خیر البریۃ' ہے، خدا کی مخلوقات میں کوئی اس کے برابر کا نہیں۔ اور اگر یہ اپنی حقیقی قدر و قیمت سے بے خبر رہ کر زندگی گزارے تو یہ 'شر البریۃ' اور 'رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ' کا بالکل صحیح مصداق ہے۔ پھر یہ اتنی پستی میں گرتا ہے جو صرف اسی کے لیے خاص ہے، خدا کی کوئی اور مخلوق اس پستی تک نہیں گرتی۔ جس طرح انسان کے عروج کی کوئی حد نہیں ہے اسی طرح اس کے زوال کی بھی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔ بڑی ہی اعلیٰ بات کہی ہے ان حکماء نے جنھوں نے کہا ہے کہ "اے انسان! تو اپنے کو پہچان!"

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ (۸)

یہ اللہ کے ان بندوں کا صلہ بیان ہو رہا ہے۔ فرمایا کہ اس دنیا میں ان کے لیے جو آزمائشیں مقدر ہیں، ان سے تو انھیں بہر حال گزرنا ہے لیکن اپنے رب کے پاس ان کے لیے اقامت کے ایسے باغ ہیں جن میں نہریں جاری ہوں گی اور یہ ان میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہوں گے۔

'جَنّٰتُ عَدۡنٍ' کی وضاحت اس کے محل میں ہو چکی ہے۔

'رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ'۔ یعنی اس جنت میں اللہ بھی ان سے راضی اور وہ بھی اس سے راضی۔ اللہ ان سے اس وجہ سے راضی کہ انھوں نے بندگی کا حق اس طرح ادا کیا جس طرح ان کو ادا کرنا چاہیے تھا اور جو ان کے رب کے معیار پر پورا اترا اور وہ اللہ سے اس وجہ سے راضی کہ ان کے رب نے نہ صرف وہ وعدے پورے کیے جو ان سے کیے تھے بلکہ ان کو وہ کچھ بخشا جس کا وہ تصور بھی نہ کر سکے تھے۔

'ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّہٗ'۔ فرمایا کہ یہ مقام ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنے رب سے، غیب میں رہتے، ڈرے۔ مطلب یہ ہے کہ جو احمق سب کچھ آنکھوں سے دیکھ کر ماننا چاہتے ہیں وہ اسی طرح بھٹکتے رہیں گے۔ ان کا علاج کوئی نہیں کر سکتا۔ اس دنیا میں انسان کا اصلی امتحان یہی ہے کہ وہ اپنی عقل و بصیرت سے کام لے کر ان حقائق پر ایمان لائے جن کی خبر اللہ کے رسولوں نے دی ہے۔ وہ کان اور آنکھیں بند کر کے زندگی نہ گزارے اور نہ اس بات کا منتظر رہے کہ سب کچھ سامنے دکھا دیا جائے تو وہ تب مانے گا۔ جس نے یہ امتحان پاس کر لیا وہی اس بات کا مستحق ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضلِ عظیم سے نوازے۔ جو اس میں ناکام رہا وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے اور اس لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل کا کوئی حصہ عطا کرے۔

بتوفیقِ ایزدی ان سطور پر سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ حَمۡدًا کَثِیۡرًا۔

لاہور

۲۴- مارچ ۱۹۸۰ء

۶- جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ